© rasailojaraid.com

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

اسلامی بینک کاری

اور

بیع مرابحہ

قسم پہلا: اسلامی شریعت کی رو سے تجارت کی جو جائز شکلیں ہیں ان میں سے ایک "مرابحہ" بھی ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی اصل لاگت یعنی راس المال سے کچھ زیادہ نفع مقرر کر کے فروخت کرنا" چنانچہ بیع مرابحہ کی تعریف علامہ ابن نجیم نے "صحاح" کے حوالے سے اس طرح کی ہے۔

والمرابحة في اللغة كما في الصحاح يقال اذا بعته المتاع واشتريته منه مرابحة اذا سميت لكل قدر من الثمن ربحا (البحر الرائق ۶/۱۱۷ ، مطبوعہ کراچی)

اس اعتبار سے مرابحہ کسی چیز کو اصل قیمت سے کچھ زائد نفع کے ساتھ فروخت کرنے کا نام ہے۔ بیع مرابحہ پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اسلامی شریعت میں بیع کی جو دوسری شکلیں موجود ہیں۔ ان کی بھی مختصر وضاحت کر دی جائے تاکہ مرابحہ کی صحیح نوعیت سمجھنے میں آسانی رہے اور یہ موازنہ اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ اگلے صفحات میں مرابحہ کے ذیل میں جو مسائل زیر بحث آ رہے ہیں ان میں سے بعض مرابحہ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے دائروں میں جا سکتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں سود (ربا) کی بحث بھی آ جاتی ہے کیونکہ موجودہ طریقہ بینکنگ سے سود کا بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ بلکہ موجودہ بینک کاری کی پوری بنیاد سود ہی پر ہے۔ لہٰذا موجودہ بینک کاری اور اس کے طریقوں سے بحث کرتے ہوئے سود اور سودی مسائل سے دامن بچانا بہت مشکل ہے۔ اور اس سیمینار کے لئے جو سوالنامہ جاری کیا گیا ہے اس میں بھی اس پہلو کی طرف اشارہ موجود ہے کہ یہ صورت بیع مرابحہ کے تحت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس لئے ان مسائل پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

بیع کی قسمیں اسلامی شریعت کی رو سے خرید و فروخت (بیع) میں بطور بدل یا قیمت (ثمن) جو چیز دی جاتی ہے۔ اس کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں۔ اور اسی طرح تجارتی نفع و نقصان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اعتبار سے بھی اس کی مزید چار قسمیں ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کی مختصر تشریح اس طرح ہے۔

۱۔ ایک چیز کے عوض میں دوسری چیز فروخت کرنا۔ مثلاً اسکوٹر کے عوض فریج یا فرنیچر فروخت کردیا اسے بیع العین بالعین کہتے ہیں۔

۲۔ کسی چیز کو روپیہ پیسہ یا ڈالر کے عوض فروخت کرنا اسے بیع المطلق یا بالاثمان المطلقہ کہتے ہیں۔

۳۔ سونے چاندی یا کرنسی کا تبادلہ۔ اس کا نام بیع الصرف ہے۔

۴۔ کسی معاہدہ کے تحت پہلے روپیہ ادا کرکے کوئی متعین چیز مقررہ مدت کے بعد حاصل کرنا۔ اسے بیع السلم کہا جاتا ہے۔

(ماخوذ از بدائع الصنائع ۵/۱۳۴ مطبوعہ پاکستان۔ فتح القدیر ۵/۲۴۵ مطبوعہ پاکستان)

اور قسم دوم کی چار قسمیں یہ ہیں:۔

۱۔ فروخت کی جانے والی چیز (مبیع) کا تبادلہ بازاری قیمت سے کم و بیش یا کسی بھی قیمت پر عمل میں آئے اسے "بیع مساومہ" کہا جاتا ہے۔

۲۔ فروخت کرنے والی چیز (مبیع) کو ثمن اول (بائع کی خریدی ہوئی قیمت) پر کچھ زیادہ نفع دے کر بیچنا اسے "بیع مرابحہ" کہتے ہیں۔ اور زیر بحث مضمون کا تعلق اسی سے ہے۔

۳۔ کسی چیز کو بغیر کسی نفع یا نقصان کے "ثمن اول" پر خریدنا یا فروخت کرنا اس کا نام "بیع تولیہ" ہے۔

۴۔ کسی چیز کی اصل قیمت میں کمی کرکے بیچنا۔ اسے "بیع وضیعہ" کہا جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۵)

مرابحہ کے بنیادی اصول

بیع مرابحہ کے صحیح ہونے کے لئے چند بنیادی شرائط موجود ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ غالباً دور قدیم ہی سے مرابحہ اور تولیہ کا جواز ایک تمدنی و معاشرتی ضرورت کے طور پر رہا ہے۔ کیونکہ تجارت میں ایک غبی یا کم عقل شخص اپنی سادہ لوحی کے باعث دھوکہ کھا سکتا ہے لہذا اسے اپنی ضروریات کی اشیاء خریدنے کے لئے ایک ہوشیار اور تجربہ کار شخص پر اعتماد کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ اس اصول کی تشریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:۔

والبیعان جائزان لاستجماع شرائط الجواز۔ والحاجة ماسة الی هذا النوع من البیع۔ لأن الغبی الذی لا یهتدی فی التجارة یحتاج الی أن یعتمد فعل الذکی المهتدی (هدایه اخیرین ص ۵۵۔ مطبوعه دهلی)

اس اعتبار سے بیع مرابحہ کی بنیاد امانت داری پر ہے۔ لہذا اسے ہر قسم کی خیانت اور شبہ خیانت سے پاک ہونا ضروری ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولهذا كان مبناهما على الأمانة والاحتراز عن الخيانة وعن شبهتها (ایضاً ۵۵)

مرابحہ کے صحیح ہونے کا سب سے پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ فروخت کرنے والا (بائع) خریدنے والے (مشتری) کو بیچی جارہی شے کی صحیح قیمت بتائے۔ اور اس میں خریدار کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا یا خیانت نہ کرے۔ ورنہ خریدار کو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق اختیار ہوگا کہ وہ یا تو طے شدہ پوری قیمت ادا کر کے اس بیع کو قبول کرے یا اسے کالعدم (فسخ) کردے مگر امام ابو یوسفؒ اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کے قول کے مطابق اضافہ شدہ رقم بائع کے نفع میں ساقط کی جائے گی اور مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ جیسا کہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے تصریح کی ہے۔

واذا باع المتاع مرابحة فخانه فيه، فالمشتري بالخيار اذا اطلع عليه، ان شاء أخذه بجميع الثمن وان شاء ترك. وان استهلك المتاع أو بعضه فالثمن كله لازم له، في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله. وقال ابو يوسف وابن ابي ليلى رحمهما الله يحط عنه الخيانة وحصتها من الربح على كل حال والاخيار له في ذلك (المبسوط السرخسي ۱۳/۸۶ مطبوعہ کراچی)

اس سلسلے میں دوسرا اصول یہ ہے کہ فروخت کنندہ (بائع) بیچی جارہی چیز اگر ادھار (نسیئہ) خریدی ہے تو اسے خریدار کو حقیقت حال سے واقف کرائے بغیر بطور مرابحہ نقد فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات امانت داری کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس صورت میں خریدار کو خریداری (بیع) فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ ادھار خریدی ہوئی چیز نقد خریدی ہوئی چیز سے عموماً مہنگی ہوتی ہے۔ چنانچہ امام سرخسی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں :-

واذا اشترى شيئاً بنسيئة فليس له أن يبيعه مرابحة حتى يتبين انه اشتراه بنسيئة۔ لأن بيع المرابحة بيع امانة تنفي عن كل تهمة ..... ثم الانسان في العادة يشتري الشئ بالنسيئة بأكثر مما يشتري بالنقد (المبسوط السرخسي ۱۳/۸۰)

اور صاحب ہدایہ تحریر کرتے ہیں :-

ومن اشترى غلاماً بألف درهم نسيئة فباعه بربح مائة ولم يبين۔ فعلم المشتري، فان شاء رده وان شاء قبل، لأن للاجل شبهاً بالمبيع۔ الايرى انه يزاد في الثمن لاجل الأجل۔ (ہدایہ آخرین ص ۵۷-۵۸)

اس سلسلے میں تیسرا اصول یہ ہے کہ بائع اصل اگر قیمت میں کمی کرے تو [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمی کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ امام سرخسی تحریر کرتے ہیں :۔

واذا باع المتاع مرابحة ثم حط البائع الاول منه شيئاً من الثمن فانه يحط ذلك من المشتري الآخر وحصة من الربح (المبسوط ۸۲/۱۳)

اس وضاحت سے زیر بحث مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کہ کسی تھوک فروش (WHOLE SELLER) سے مسلسل رابطہ رکھنے کی صورت میں جو کمیشن یا ڈسکاؤنٹ وغیرہ ملتا ہے وہ اس اصول کے مطابق بائع کو اصل قیمت میں منہا کر کے دکھانا ہوگا۔ ورنہ بیع مرابحہ کی صورت میں یہ خیانت ہوگی۔ کیونکہ اس میں بائع اپنا نفع الگ سے لیتا ہے۔

بیع مرابحہ میں بیچی جارہی چیزوں کی قیمتوں میں ضمنی اخراجات جوڑے جا سکتے ہیں۔ مثلاً دھوبی، رنگریزی اور کڑھائی کا معاوضہ۔ مزدور کی اجرت (کرایہ) نقل وحمل (ٹرانسپورٹ) کے اخراجات اور ایجنٹ کا کمیشن (اجرت السمسار) وغیرہ۔ لیکن اس صورت میں فروخت کرنے والا یہ نہیں کہے گا کہ میں نے اس کو اتنے میں خریدا ہے۔ بلکہ یوں کہے گا کہ اس چیز پر اتنی لاگت آئی ہے۔

(خلاصہ از المبسوط ۸۰/۱۳۔ درمختار حاشیہ ردالمختار ۱۴۲/۴۔ ہدایہ مع فتح القدیر ۱۲۵/۶۔ البحر الرائق ۱۰۹/۶۔ ۱۱۰)

اور شمس الائمہ سرخسی نے ایک عام اصول یہ بھی تحریر کیا ہے کہ مرابحہ میں ضمنی اخراجات کے سلسلے میں تاجروں کے عرف (رواج) کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی فروخت کی جارہی چیز کی قیمت (راس المال) میں کون کون سے اخراجات شامل ہو سکتے ہیں اس کا اعتبار تاجروں کے عرف و رواج پر ہوگا۔

وهذا لان عرف التجار معتبر في بيع المرابحة. فما جرى العرف بالحاقه رأس المال يكون له أن يلحقه به وما لا فلا (المبسوط ۸۰/۱۳)

بیع مرابحہ اور جدید بینکاری بیع مرابحہ پر یہ ایک اجمالی نظر تھی۔ اس بحث سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلام میں مرابحہ کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس کے اصول ومبادی کیا ہیں۔ اب رہا مرابحہ کو بینک کاری یا اسلامی بینکنگ سے جوڑنے کا مسئلہ تو یہ ایک نئی شکل اور نئی صورت حال ہے۔ اور اسلامی بینک کاری کے نام سے مرابحہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ ایک طرف اسلام کے بیان کردہ سودی طریقوں سے پاک ہو۔ اور دوسری طرف مرابحہ کے بنیادی اصولوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

واضح رہے زیر بحث مسائل میں مرابحہ اور بینک کاری دو الگ چیزیں ہیں۔ اور بیع مرابحہ بعض صورتوں میں "بیع مساومہ" بن سکتی ہے۔ جس کی تعریف اوپر گذر چکی ہے۔ چنانچہ زیر بحث مسائل میں ایک مسئلہ ادھار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خرید و فروخت کا بھی ہے۔ اور ادہار کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یک مشت ادائیگی یا بالاقساط ادائیگی۔ بہرحال دو صورت فروخت کرنے والا آج کے نرخ کے مقابلے میں قیمت زیادہ رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدت ادائیگی کی کمی اور زیادتی کے مطابق مقررہ منافع میں بھی کمی اور زیادتی کی جاتی ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بائع اس ادہار بیع میں تاجیل (مہلت دینے) کی قیمت وصول کر رہا ہے۔

اس صورت حال کو مرابحہ کہنے کے بجائے شاید مُساومہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ جس میں قیمتوں کی کمی بیشی کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔ اب جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ادہار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کرنے کی بہ نسبت قیمت زیادہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں ایک عام اصول یہ ہے کہ خرید و فروخت نقداً نقد بھی ہوسکتی ہے، اور ادہار بھی۔ جب کہ ادائیگی کی مدت مقرر ہو۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے قرآن کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:۔

ویجوز البیع بثمنٍ حالٍ ومؤجّلٍ اذا کان الاجل معلوماً، لاطلاق قوله تعالیٰ:

واحل الله البیع (هدایه مع فتح القدیر ۵/۴۶۸، مطبوعه پاکستان)

چونکہ بیع کا اطلاق نقد اور ادہار دونوں صورتوں پر ہوسکتا ہے اس لئے یہ دونوں صورتیں جائز ہیں جب تک کہ فقہی نقطہ نظر سے اس میں ربا کی صورت پیدا نہ ہوجائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک فقہی ضابطہ یہ ہے کہ جس بیع میں جنس اور قدر دونوں مختلف ہوں ان میں زیادتی (تفاضل) اور ادہار (نسیئہ) دونوں جائز ہیں۔ خصوصاً جب کہ کوئی چیز روپیہ (ثمن مطلق) کے ذریعہ خریدی جائے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں کہ نقدی اور سامان کے تبادلے میں سود نہیں ہوتا۔

ولا ربا بین الاثمان والعروض (المغنی ۴/۱۹۴ مطبوعہ ریاض)

نیز موصوف نے مزید تحریر کیا ہے کہ کسی چیز کو ادہار فروخت کرنا بالاتفاق ناجائز نہیں ہے۔

البیع بنسیئۃ لیس بمحرم اتفاقاً (ایضاً ۴-۱۹۵)

غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہا نے صراحت کی ہے کہ ادہار بیع میں قیمتیں عموماً زیادہ لی جاتی ہیں مگر کسی نے اسے ناجائز نہیں کہا۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی تحریر کرتے ہیں۔

ثم الانسان فی العادۃ یشتری الشئی بالنسیئۃ باکثر مما یشتری بالنقد (المبسوط ۱۳/۸۰)

اور صاحب ہدایہ تحریر کرتے ہیں۔

أَلا یریٰ أنہ یزداد فی الثمن لأجل الاجل (ھدایہ مع فتح القدیر ۶/۱۳۳)

اور امام مالک کے نزدیک نقد قیمت مقرر کرنے کے بعد کچھ بھی اضافہ کے ساتھ ادائیگی کے لئے مدت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقرر کرنا جائز ہے جیسا مالکی عالم امام سحنون سے مروی ہے۔

قلت: أرأيت ان اشتريت سلعة بعشرة دراهم نقداً، ثم أخرني البائع بالدراهم سنةً فأردت ان ابيع مرابحة كيف ابيع في قول مالك (المدونة الكبرىٰ ۴/۲۳۰ مطبوعہ مصر)

اس اعتبار سے ادھار فروخت میں زائد قیمت وصول کرنا ایک ایسا رواج ہے جو دور قدیم سے چلا آرہا ہے مگر پھر بھی اس مسئلے کے کچھ نشیب و فراز ہیں۔ اور بعض متعین صورتوں کی ممانعت بھی ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلے مباحث میں آئے گا۔

موجودہ دور میں بنک کاری کا جو عمومی ضابطہ پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ بنک کوئی چیز خرید کر گاہک (مشتری) کو دیتا ہے۔ اور پھر اس کا متعین سود قسط وار وصول کرتا ہے۔ یا بنک کی ہدایت پر خریدار کوئی چیز خود خرید لیتا ہے۔ اور اس کا بل بنک ادا کرکے متعین شرح سود کے ساتھ اسے مقررہ مدت میں وصول کرتا ہے۔ اب اگر کوئی اسلامی بنک اسلامی اصولوں کے تحت مرابحہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صارفین کا بل ادا کرکے سود وصول کرنے کے بجائے مطلوبہ اشیاء خود خرید کر مرابحہ کے اصولوں کے مطابق اس میں اپنا کمیشن شامل کرکے صارفین کو دے۔ اس طرح کمیشن کے نام سے شاید کچھ زیادہ وصول کرنے کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے ادھار دینے میں سال دو سال کے بعد مالیت (VALUE) کی کمی کا خطرہ بھی کسی حد تک ٹل سکتا ہے۔ مگر ہاں ایک مرتبہ کسی چیز کی قیمت مقرر کر دینے کے بعد مقررہ مدت کے بعد کسی وجہ سے عدم ادائیگی کے باعث پھر دوبارہ قیمت بڑھانا یا راس المال میں اضافہ کرنا سود بن جائے گا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نیز اس سلسلے میں کمیشن کی شرح اتنی زیادہ بڑھا دینا کہ اس کے نتیجے میں اشیاء کی قیمت مجموعی اعتبار سے اتنی ہو جائے جتنی کہ عام طور پر غیر اسلامی بنک سود کے نام سے وصول کرتے ہیں۔ اسلامی بنک کاری کے نام سے شاید جائز نہ ہو۔ اگرچہ شرعی اعتبار سے اس میں کوئی قباحت نظر نہ آئے۔ کیونکہ اس سے عوام میں اسلامی بنک کاری کا تصور بگڑ جائے گا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ مجموعی اعتبار سے سودی کاروبار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا جو بنک اسلام کے نام پر قائم ہوں انہیں اس میدان میں ایک اچھا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس راہ میں تھوڑا سا مالی خسارہ برداشت کرنا پڑے۔

بیع مرابحہ میں ایک عام اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اتنی گراں قیمت پر خریدے کہ عام طور پر لوگ اس میں دھوکا نہیں کھاتے تو اس میں بغیر صراحت کے مرابحہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام سرخسیؒ تحریر کرتے ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا اشتری شیئاً باکثر من ثمنه مما لا یتغابن الناس فی مثله وهو یعلم ذلک فلیس له أن یبیعه مرابحة من غیر بیان (المبسوط: ۱۳/۹۰)

یہ اصول جس طرح خریدنے کے سلسلے میں عائد ہوتا ہے اسی طرح شاید فروخت کرنے والے پر بھی عائد ہو سکے گا۔ کہ وہ بھی اشیاء کو اتنی گراں قیمت پر فروخت نہ کرے جس کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں بازار کی قیمتوں سے بہت زیادہ معلوم ہوتی ہوں۔

اس سلسلے میں مالیاتی ادارہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اشیا کی اصل اور صحیح قیمت (ہر قسم کے کمیشن اور ڈسکاؤنٹ وغیرہ کو منہا کر کے) مشتری کو بتائے۔ پھر اس میں اپنا مقررہ کمیشن یا تجارتی نفع (ربح) جوڑے۔ اگر کوئی ادارہ اشیاء کی اصل قیمت بتائے بغیر معاملہ کرے گا تو وہ بیع مرابحہ نہیں بلکہ بیع مساومہ بن جائے گا۔

غیر مملوکہ اشیاء کی فروخت

اب یہ مسئلہ کہ مالیاتی اداروں کے پاس چونکہ اپنی کوئی دکان یا گودام نہیں ہوتا اس لئے وہ معاملہ طے ہونے کے بعد مطلوبہ سامان کھلے بازار سے خرید کر صارفین کے حوالے کرتے ہیں تو بہ صورت "غیر مملوکہ اشیاء کی بیع" یا "بیع معدوم" ہونے کی وجہ سے آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے اور فقہاء کا اختلاف بھی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی (MOVABLE) چیزوں میں "بیع معدوم" (یعنی اس چیز کی بیع جو اپنی ملکیت میں موجود نہ ہو یا جس میں کوئی خطرہ موجود ہو) جائز نہیں ہے۔ البتہ ان دونوں کے نزدیک غیر منقولی (IMMOVBLE) چیزوں میں اس قسم کی بیع ہو سکتی ہے۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کوئی بھی جائز نہیں ہے (ہدایہ ص ۵۸)

امام مالکؒ کے نزدیک غیر مملوکہ اشیاء، کی بیع صرف غلے میں ناجائز اور بقیہ تمام چیزوں میں جائز ہے جیسا کہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے امام مالکؒ کے مسلک کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:۔

کل ما اشتریت من العروض کلها الحیوان والعقار والثیاب وغیر ذلک ما خلا المبیع من الطعام علی الکیل فلا بأس عند مالک أن تبیع ذلک کله قبل أن تقبضه۔ فان بعته من بائعه منك بغیر الذی له علیك من ثمنه جاز بجمیع الاشیاء کلها، اذا انعجلت ذلک ولم تؤخره (کتاب الکافی فی فقه اهل المدینه المالکی: ۲/۲۴ مطبوعه مصر)

اس کا حاصل یہ کہ امام مالکؒ کے نزدیک ناپے جانے والے اناج کے سوا بقیہ تمام چیزوں (کپڑے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیوانات اور جائیداد وغیرہ) کی بیع قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے مگر اس میں عجلت کرنی چاہیئے۔ اور تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ امام مالکؒ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جسے انہوں نے اپنی موطا میں روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی اناج خریدا تو وہ اسے فروخت نہ کرے جب تک کہ وہ اس پر پوری طرح قابض نہ ہو جائے۔

عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یستوفیہ (موطا امام مالک کتاب البیوع ۲/۶۴۰ مطبوعہ بیروت)

اس سلسلے میں فقہائے احناف کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ ایک خاص حکم سے متعلق ہے۔ جب کہ اس سلسلے میں دیگر عمومی حدیثیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی جس روایت سے استدلال کیا ہے وہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ جسے ایک عام ضابطہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں غلے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

عن ابن عباس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یستوفیہ۔ قال ابن عباس ولا أحسب کل شیء الا مثلہ (بخاری کتاب البیوع ۳/۲۳ مطبوعہ استنبول، مسلم بیوع ۳/۱۵۹۔ ریاض)

نیز ابو داؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس پر ابھی قبضہ نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ اس کی تخریج امام زیلعیؒ نے اس طرح کی ہے۔

روی أنہ علیہ السلام نہی عن بیع مالم یقبض (نصب الرایہ ۴/۳۲ ڈابھیل)

سنن نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو جو مکتوب بھیجا تھا وہ اس طرح تھا۔

لا یجوز شرطان فی بیع واحد۔ ولا بیع وسلف۔ ولا بیع مالم یضمن

یعنی ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں۔ بیع اور سلف (سلم) دونوں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے اور وہ چیز قابل فروخت نہیں جو ضمان میں نہ ہو۔ یعنی جو ابھی قبضہ میں نہ ہو (منقول از نصب الرایہ ۴/۱۹)

اس حدیث کی شرح امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس طرح کی ہے کہ:۔

سلف اور بیع دونوں کو جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کوئی یوں کہے کہ میں اپنا یہ غلام اتنے میں بیچنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم مجھے اتنا روپیہ ادھار (مزید) دے دو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک بیع میں دو شرطیں نافذ کرنا یہ ہے:
مثلاً کوئی یوں کہے کہ میں اس چیز کو نقد ایک ہزار میں فروخت کروں گا۔ لیکن ادھار دو ہزار میں دوں گا اب رہا معاملہ اس چیز سے نفع اندوزی کا جو اس کے ضمان میں نہ ہو۔ تو یہ بات کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے نفع کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ ۴/۱۹)
نیز ایک اور حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی چیز فروخت کرنے سے منع فرمایا جو انسان کے پاس موجود نہیں ہے۔ اور بیع سلم کے بارے میں رخصت عطا فرمائی۔

نہی عن بیع ما لیس عند الانسان، ورخّص فی السَّلَم (نصب الرایہ ۴/۴۵)

اور دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ بغیر قبضہ کے کسی چیز کو فروخت کرنے میں اس چیز کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے بیع فسخ ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اسی بنا پر اسے "بیع غرر" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بیع جس میں کسی قسم کا خطرہ موجود ہو۔

لأن فیہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاك (ہدایہ ص۵۸، بدائع ۵/۱۸۰)

نیز اس میں یہ صورت بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کسی چیز کا خود مالک بننے سے پہلے دوسرے کو مالک بنا رہا ہے لہذا یہ صورت جائز نہیں ہے جیسا کہ امام سرخسی تحریر کرتے ہیں:۔

ومن اشتری شیئاً فلا یجوز له أن یبیعه قبل أن یقبضه ولا یولّیه أحداً ولا یشرك فیه۔ لأن التولیة تملیك ما ملك بمثل ما ملك (المبسوط ۱۳/۸)

مگر اس ضابطہ کے تحت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے غیر منقولی چیزوں یعنی مکان اور زمین وغیرہ کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ جائیداد میں اتلاف شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بخلاف منقولی چیزوں کے۔

لأن الهلاك فی العقار نادر بخلاف المنقول (ھدایہ ص۵۸)

مگر امام محمدؒ کے نزدیک حدیث کے الفاظ چونکہ عام ہیں اس لئے اس کا حکم بھی عام ہے۔ اور یہ دلیل بہت قوی معلوم ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق امام ابو یوسف کا مسلک بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح القدیر شرح ہدایہ ۶/۱۳۷)

چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب "الام" میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صراحت کی ہے۔ کہ جس شخص نے کوئی بھی چیز خریدی تو اسے قبضہ کئے بغیر اسے بیچنا جائز نہیں ہے۔

قال الشافعی وبهذا نأخذ۔ فمن ابتاع شیئاً کائناً ما کان، فلیس له أن یبیعه حتی یقبضه (الأم ۳/۶۹، ۷۰، دار المعرفة بیروت)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل یہ کہ فقہا کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ وہ چیزیں جو اپنی ملکیت میں موجود نہ ہوں ان پر قبضہ کئے بغیر انہیں فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں مختلف قسم کے خطرات اور جھگڑوں کا اندیشہ رہتا ہے۔ جو فتنہ و فساد کا باعث ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ دور میں ٹیلیفون وغیرہ پر جو خرید و فروخت ہوتی ہے اور ایک تاجر دوسرے تاجر سے قیمت طے کر کے تیسرے تاجر کو قبضہ کئے بغیر فروخت کر دیتا ہے وہ جائز نہیں اسی طرح ان چیزوں کی بیع بھی صحیح نہیں ہو سکتی جن کا فی الحال کوئی وجود ہی نہ ہو۔ جیسے حاملہ جانور کے بچے یا اس کے بچے کے بچے کی بیع کرنا وغیرہ۔ بہرحال فقہ حنفی کا ایک عمومی ضابطہ اس سلسلے میں وہ ہے جسے امام کاسانیؒ اور علامہ ابن نجیمؒ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ اول الذکر تحریر کرتے ہیں۔

أن یکون (المعقود علیہ) موجوداً فلا ینعقد بیع المعدوم وما لہ خطر العدم کبیع نتاج النتاج، بأن قال بعت ولد ولد ھذہ الناقۃ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸)

اور صاحب البحر الرائق تحریر کرتے ہیں :-

وأن یکون مقدور التسلیم، فلم ینعقد بیع المعدوم وما لہ خطر، کنتاج النتاج والحمل واللبن فی الضرع والثمر والزرع قبل الظھور الخ (البحر الرائق ۵/۲۵۹)

اب رہا یہ سوال کہ معاہدہ بیع کے وقت جب شئے مطلوبہ بائع کے پاس موجود نہ ہوگی تو بیع نامہ کی شکل کیا ہوگی ؟ آیا یہ معاہدہ بیع ہے یا صرف وعدۂ بیع ؟ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ مذکورہ بالا شرعی ضابطہ کی رو سے معاہدہ بیع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسے وعدۂ بیع قرار دینا ہوگا۔ اور چونکہ بازار کا نرخ عموماً گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لئے اس صورت میں اس معاہدہ کو پورا کرنے کی قانونی شکل یہ ہو گی کہ ... ۂ بیع کے بعد بازار میں خریدی کے وقت شئے مطلوب کی جو قیمت ہو اسی کے مطابق قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اور یہ بات طرفین کی سلامتی کا باعث ہوگی اور اس میں کسی کا بھی نقصان نہیں ہوگا۔

سود کی ایک عام شکل اب رہا یہ مسئلہ کہ مالیاتی ادارے اور صارف کے درمیان معاہدہ طے ہو جانے کے بعد آیا ادارہ خود صارف سے اس کی مطلوبہ شئے خریدوا سکتا ہے یا نہیں ؛ یعنی مطلوبہ شئے کی قیمت صارف کو دے کر یہ کہہ دے کہ وہ خود مارکیٹ سے اپنی چیز خرید لے۔ اور پھر مقررہ مدت تک ادارہ کو منافع کے ساتھ قسط وار ادا کرتا رہے۔ تو یہ صورت جائز نہیں بلکہ اسی کا نام شریعت میں سود ہے۔ اور موجودہ دور کے سودی بنکوں کا تمام کاروبار اسی اصول کے مطابق ہے۔ کہ وہ ضرورت مندوں کو مقررہ مدت تک کے لئے قرض روپیہ دیتے ہیں۔ اور اس پر زائد روپیہ منافع (انٹرسٹ) کے نام سے وصول کرتے ہیں۔ اسلام میں اسی کا نام ربا (سود) ہے۔ یعنی وہ چیز جو اصل سے زائد اور بغیر کسی عوض کے ہو اور نزولِ قرآن کے وقت اہلِ عرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ہاں جو رواج تھا اس کی صورت حال بھی یہی تھی چنانچہ اس موقع پر اسلام میں ربا کی حقیقت اور اس کے بعض ضوابط بھی پیش نظر رہنے چاہئیں۔ تاکہ اس سلسلے کے تمام شبہات دور ہو جائیں۔

قاضی ابن العربی مالکیؒ تحریر کرتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے ربا کی اصل زیادتی ہے۔

والربا فی اللغة هو الزيادة (احکام القرآن ۱/۲۴۲ مطبوعہ بیروت)

اور موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ آیت قرآنی (بقرہ ۲۷۵) میں ربا سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جو بغیر کسی عوض کے ہو۔ والمراد به فی الآية كل زيادة لم يقابلها عوض (ایضاً)

واضح رہے کہ ربا (سود) عموماً ادھار معاملات میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

انما الربا فی النسيئة (بخاری کتاب البیوع ۳/۳۱ - استنبول - مسلم کتاب المساقاة ۳/۱۲۱۸ مطبوعہ ریاض)

علامہ جصاص رازیؒ تحریر کرتے ہیں کہ ربا کی جو صورت اہل عرب کے ہاں جو رائج تھی وہ یہ تھی کہ وہ روپیہ (درہم یا دینار) ایک مدت تک کچھ زیادتی کے ساتھ بطور قرض دیتے تھے جو باہم رضامندی سے طے ہوتا تھا اور ان کے ہاں نقد (بیع صرف) کا رواج نہیں تھا۔ اسی بنا پر کہا گیا:۔

وما آتيتم من ربا ليربو فی اموال الناس فلا يربو عند الله (روم ۳۹)

یعنی جو کچھ تم سود کے طور پر دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے۔ تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشروط زیادتی ربا (سود) ہے۔ کیونکہ وہ بغیر کسی عوض کے ہے۔ نیز اس سلسلے میں مزید ارشاد ہے۔

یا ایها الذين آمنوا لا تاكلوا الربوا اضعافاً مضاعفةً (آل عمران ۱۳۰)

اے ایمان والو دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔ (احکام القرآن ۱/۴۶۵ مطبوعہ بیروت)

چنانچہ امام مالک نے اپنی موطا میں ایک حدیث روایت کی ہے جس سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سود کا ضابطہ یہ تھا کہ ایک شخص کا روپیہ دوسرے شخص پر ایک مقررہ مدت کے لئے ہوتا اور جب مدت پوری ہو جاتی تو قرض خواہ قرضدار سے کہتا کہ تم میرا قرضہ ادا کرو گے یا کچھ بڑھاؤ گے؟ اگر وہ قرضہ ادا کر دیتا تو وہ اسے لے لیتا۔ ورنہ اصل مال میں کچھ زیادتی کر کے اسے مزید مہلت دے دیتا۔

عن زيد بن اسلم انه قال: كان الربا فی الجاهلية ان يكون لاجل على الرجل الحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الی أجل۔ فاذا حل الاجل قال أتقضی أم تربی ؟ فان قضی أخذ والا زاده فی حقه وأخر عنه فی الاجل (الموطا ۔ ۲/ ۶۷۲۔۶۷۳، بیروت)

علامہ ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ حکم اہل ثقیف کے بارے میں نازل ہوا ہے جن کے ہاں اس کا رواج تھا۔ اور موصوف نے مزید تصریح کی ہے کہ امت کے علمائے سلف کا اس پہ اتفاق ہے کہ سود (ربا) کی یہی وہ شکل تھی جس کے بارے میں قرآن کا حکم نازل ہوا ہے۔

وکذالک ربا النساء ۔ فان أهل ثقیف الذین نزل فیهم القرآن ان الرجل کان یاتی الی الغریم عند حلول الأجل فیقول : أتقضی أم تربی ؟ فان لم یقضه زاده المدین فی المال وزاد الطالب فی الاجل ۔ فیضاعف المال فی المدة لاجل التأخیر۔ وهذا هو الربا الذی لا یشك فیه باتفاق سلف الائمة وفیه نزل القرآن ۔ والظلم والضرر فیه ظاهر۔ (فتاوی ابن تیمیه ۲۰/ ۳۴۹ مطبوعه ریاض)

اور اس سلسلے میں علامہ ابن رشد قرطبی تحریر کرتے ہیں کہ جاہلی سود کے ممنوع ہونے پر امت کا اجماع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی حرمت کا صاف و صریح الفاظ میں اعلان کر دیا تھا۔

.... صنفٌ متفق علیه ، وهو ربا الجاهلیة الذی نهی عنه ، وذلك أنهم کانوا یسلفون بالزیادة وینظرون ۔ فکانوا یقولون ۔ أنظرنی أزدك ۔ وهذا هو الذی عناه علیه الصلاة والسلام بقوله فی حجة الوداع ؛ ألا وان ربا الجاهلیة موضوع ، وأول ربا أضعه ربا العباس بن عبد المطلب ۔

(بدایة المجتهد ۲/ ۹۶ مطبوعه پاکستان)

خلاصہ یہ کہ قرآن میں جس سود کی حرمت آئی ہے وہ یہی ہے اور سود کی عام شکل یہی ہے لہذا اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

سود کی بعض خاص صورتیں اوپر سود (ربا) کی عمومی شکل بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی چند خاص شکلیں بھی ہیں جن کو اسلامی شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔ تاکہ سود کا دروازہ ہر حیثیت سے بند ہو جائے۔ جو تمدنی ظلم و استحصال کی ایک قابل نفرین شکل ہے۔ اور اس کی بنیاد بجائے انسانی ہمدردی کے خود غرضی اور مفاد پرستی پر رکھی گئی ہے۔ اس موضوع پر بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں۔ جن سے اس سلسلے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض اصول وضوابط متعین کئے جا سکتے ہیں۔ مگر اس کی تفصیل اس موقع پہ طوالت کا باعث ہوگی۔ اور اصل موضوع سے انحراف بھی۔ مگر اس موقع پر اتنا عرض کرنا ہے۔ کہ اسلامی شریعت کی رو سے جس طرح کچھ روپیہ دے کر زائد روپیہ وصول کرنا ربا ہے۔ اسی طرح مختلف اشیاء کے تبادلے ہیں بھی ربا ہو سکتا ہے اور یہ ربا کبھی ہم جنس اشیاء کی کمی بیشی کی بنا پہ ہوتا ہے۔ اور کبھی ادھار تبادلے کی بنا پر۔ مثلاً سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ اور چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہیئے۔ ان میں کمی بیشی کے ساتھ یا ادھار کی شکل میں تبادلہ کرنا ربا ہے۔ لیکن جب جنس بدل جائے تو کمی بیشی جائز ہو سکتی ہے مگر ادھار جائز نہیں۔ چنانچہ سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ مگر ادھار جائز نہیں۔ اسی طرح گیہوں کا تبادلہ گیہوں کے ساتھ کمی بیشی سے کرنا جائز نہیں۔ لیکن گیہوں اور جَو کے تبادلے میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نقدی کے عوض میں کوئی بھی چیز نقد یا ادھار خریدی جا سکتی ہے۔

خلاصۂ بحث | حاصل بحث یہ کہ کسی کو ایک ہزار روپے نقد دے کر کچھ مہلت کے ساتھ ایک ہزار ایک سو روپے یا ایک ہزار دو سو روپے وصول کرنا سود ہے۔ جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہے۔ مگر ایک ہزار روپے کی چیز ایک ہزار ایک سو یا ایک ہزار دو سو روپوں میں فروخت کرنا سود نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا (البقرہ ۲۷۵)

لہٰذا مالیاتی ادارہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ روپیہ دے کر روپیہ وصول کرنے کے ممنوع اور مذموم طریقے کے بجائے جائز اور مشروع طریقہ اختیار کرے۔ اور شئے مطلوب کو خود خرید کر صارفین کو دے۔ اور اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیئے کہ مرابحہ صرف استعمالی اشیاء (عروض) ہی میں ہو سکتا ہے۔ نقدین یعنی سونا اور چاندی میں نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ درمختار اور اس کی شرح ردالمختار میں اس کی تصریح موجود ہے۔

المرابحۃ: مصدر رابح، وشرعاً بیع ما ملکہ من العروض (أی) احترازاً عما ذکرنا من أنہ لو شری دنانیر بدراھم لا یجوز بیعھا مرابحۃً۔ (درمختار مع ردالمختار ۴/۱۶۰)

(بقیہ اسرائیلی جارحیت) گذشتہ صحبت میں یہی عرض کیا تھا کہ کل کا فرعون اسی انجام سے دوچار ہوا آج بھی فرعون (روس اور امریکہ) وہی راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں جو کل کے فرعون نے کیا تھا۔ انجام اس کا بھی وہی —— اور جس کو کمزور و بے بس بنایا گیا اور جن کے خلاف سازشیں کی گئی تھیں انہیں اپنے پیش رو کی طرح قیادت و سربراہی اور ان سے چھینے ہوئے ملکوں پر انہیں دوبارہ حکمرانی کے مواقع عطا کر دئے جائیں گے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

© rasailojaraid.com